اردو مصنفین پر ٹیگور کے اثرات

حنا صبا

Abstract:

Rabindranath Tagore (7 May 1861 - 7 August 1941) is a well known Bengali writer. Tagore's poetic songs were viewed as spiritual and mercurial; however, his "elegant prose and magical poetry" remain largely unknown outside Bengal. Tagore modernised Bengali art by spurning rigid classical forms and resisting linguistic strictures. This article deals with influence of Tagore's creative work on Urdu Literature.

اگر چہ ٹیگور کو نوبیل انعام شاعری کی کتاب پر ملا تھا لیکن اس کی نثری تخلیقات ناول، افسانے اور ڈرامے بھی یکساں اہمیت رکھتے ہیں۔ اور اپنے منفرد فکری و فنی خصائص کی وجہ سے ٹیگور کو عالمی ادب میں برصغیر کی نمائندگی کا مقام عطا کرتے ہیں۔

ٹیگور کی شہرت کا دور اُردو ادب کا بھی انتہائی زرخیز دور تھا۔ رومانوی رجحان بھی اپنے نقطہ عروج پر موجود تھا اور ترقی پسند مصنفین بھی ایک نئی داغ بیل ڈالنے میں مصروف تھے۔ نیز اس دور کا سیاسی اور سماجی پس منظر یکساں ہونے کی وجہ سے بھی اُردو ادب پر ٹیگور کی تخلیقات کے اثرات ہوئے۔

ٹیگور سے براہِ راست یا بالواسطہ طور پر متاثر ہونے والے ادیبوں میں جہاں ایک طرف رومانوی طرزِ احساس، بے مثال حقیقت نگاری، سماجی و سیاسی شعور اور نفسیات انسانی کی باریکیوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش نظر آتی ہے۔ وہیں پلاٹ کی بنت اور کرداروں کی تشکیل میں مہارت سے لے کر زبان و بیان کی ندرت تک مختلف مراحل پر اثر پذیری موجود ہے۔ فکری سطح پر کسی مصنف کے دوسروں پر اثرات کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ چونکہ ہر مصنف بحیثیت انسان اور بحیثیت ایک فرد معاشرہ کے بہت سے مشترکہ مسائل کا سامنا کرتا ہے جن کے بارے میں کسی دوسرے مصنف کا کوئی مخصوص نقطہ نظر یا پیش کش کے انداز سے وہ اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ اسے شعوری طور پر اپنانے کی کوشش کرتا ہے وطن سے محبت کا رچاؤ، مناظرِ فطرت کی بھرپور عکاسی اور حقیقت نگاری کے

مختلف پہلو سب سے زیادہ کھُل کر ٹیگور کی تحریروں میں آئے اور اس کے بعد کے ادب پر واضح اثرات موجود ہیں۔

ٹیگور کی شخصیت اور فن کا اعتراف کرنے والوں میں مولانا ابوالکلام آزاد جیسی قد آور شخصیت بھی موجود ہے۔ ماضی کے شعور، الفاظ کے انتخاب اور صیغہ واحد متکلم کے منفرد استعمال سے تشکیل پانے والا ان کا اسلوب اپنی مثال آپ ہے۔ ان کے ہاں رومانوی انانیت اور حد سے بڑھا ہوا احساس ذات خلوص نیت کی وجہ سے ایک مثبت عنصر بن جاتا ہے۔ ٹیگور سے ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے ابوالکلام آزاد نے جس پہلو کی نشاندہی کی ہے وہ ان کی اپنی ذات کی عکاسی بھی کرتا ہے۔

> ''دسمبر ۱۹۳۶ء میں پہلی مرتبہ میں نے ٹیگور کو دیکھا---------- ایک تصویر دیکھ کر وہ بے ساختہ جھوم گئے۔ ان کی روح کے تار اس مضراب نے ہلا دیئے تھے۔ فرمانے لگے: افسوس اب وقت ہی نہ رہا۔ مجھے بہت کچھ ابھی کرنا اور سیکھنا تھا----------
>
> جسے ساری قوم گرو دیو کہتی ہے اس کا طالب علمانہ ذوق وشوق ملاحظہ کیجئے۔ کتنے دردبھرے، حکیمانہ اور پر خلوص تھے وہ بول۔ مایوسی کے پیکر میں حوصلہ مندی کا بول لیے ہوئے۔'' (۱)

اُردو نثر میں رومانوی رجحان کے تحت جو ادبِ لطیف لکھا گیا اس میں واضح طور پر ٹیگور کا اثر ہے۔ اس دور کے ادبی پس منظر، مقصدیت کے ردعمل اور انگریزی ادب کے اثرات، سیاسی گھٹن بڑھنے پر فراریت نیز مصنفین کی انفرادی افتادِطبع کے علاوہ ادب لطیف کو فروغ دینے میں نیاز فتح پوری کا شاعرانہ نثر میں کیا ہوا گیتا نجلی کا ترجمہ بھی ایک محرک قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اُردو ادب میں ٹیگور کی باقاعدہ شناخت نوبیل انعام ملنے کے بعد ہوئی نیاز فتح پوری کا ترجمہ بھی اسی وقت سامنے آیا اور بنگلہ سے نا آشنا اُردو مصنفین کے لیے ٹیگور کی پہچان بن گیا۔

نیاز فتح پوری کی اپنی تحریروں میں بھی اس طرزِ تحریر کا واضح عکس ہے۔ مثلاً ان کے مشہور ناولٹ شہاب کی سرگزشت اور شاعر کا انجام جن کے بارے میں سید وقار عظیم لکھتے ہیں کہ:

> ''دونوں کتابوں کی قدر مشترک اس کا ایک خاص قسم کا طرز بیان ہے جس کی بنیاد تخیل کی نزاکت اور پاکیزگی خیال پر ہے۔'' (۲)

لیکن خوبصورت اسلوب کے باوجود نیاز فتح پوری کے ہاں خیال کی گہرائی کا فقدان ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر محمد خان اشرف لکھتے ہیں:

> ''گیتا نجلی جس کا اُردو ترجمہ انہوں نے ۱۹۱۴ء میں کیا، کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ دو چیزیں شاعری کی جان ہیں۔ تخیل کی رنگینی مگر عمق کے ساتھ، زبان کا ترنم مگر سادگی لیے ہوئے......

شاعری کی اس تعریف میں نیاز کے نظریہ فن کی بیشتر خوبیاں اور خامیاں پوشیدہ ہیں۔ یہ معیار جو نیاز نے پیش کیا گو ٹیگور پر لاگو ہوتا ہے لیکن خود نیاز اس پر پورے نہیں اُترتے، ان کے ہاں تخیل کی رنگینی تو ہے لیکن جس عمق کا وہ ذکر کرتے ہیں وہ ان کی تخلیقات اور تنقید میں بہت کم آتا ہے۔'' (۳)

رومانوی نثر کے ضمن میں عبدالرحمٰن بجنوری کی تحریریں بھی ٹیگور کے انداز سے متاثر نظر آتی ہیں۔ عبدالعزیز خالد کے ترجمہ کردہ گیتا نجلی کا تعارفی مضمون لکھتے ہوئے جو زبان اور اسلوب استعمال کیا ہے محض اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے:

''......لیکن ٹیگور فرماتے ہیں کہ ایک جام سفال ہوں جس کو وہ رند حقیقی رنگارنگ سے معمور کرتا ہے، توڑ دیتا ہے، اور اعجاز کوزہ گری سے وجود میں لا کر الوان شراب سے لبریز کر دیتا ہے نہ میرا کوتاہ پیمانہ بھرتا ہے نہ وہ میکش سیر ہوتا ہے، یہ ہماری ازلی اور ابدی لب نوشی ہے۔'' (۴)

عبدالرحمٰن بجنوری نے ٹیگور کی گیتا نجلی کا منظوم ترجمہ بھی شروع کیا تھا لیکن بوجوہ اسے مکمل نہ کر سکے۔(۵)

جمال پرستی، ماورائی انداز، فراریت، روایت سے بغاوت اور جذباتیت سے بھرپور ادب لطیف پیش کرنے والے چند مصنفین میں ٹیگور کا عکس نمایاں ہے۔

مثال کے طور پر خلیق دہلوی کی اکثر رومانوی تحریریں مثلاً ابنِ عم، ایک نقاش کی موت، نیرنگ التفات، ندرت ذوقِ نظر، نسائیت وشعریت (۶) وغیرہ دیکھی جا سکتی ہیں۔

''-------- ہائے یہ بھی کیا انداز ادا شناسی ہے کہ اس وقت جبکہ میری شوق ماجرا تمنائیں، زبان آشنا نہیں ہوتیں تو وہ مجھ پر کرم ہی کرتے ہیں لیکن اس وقت جبکہ میری رحم خواہ آنکھیں عرضِ مدعا کی تصویر اور عجز و التجا کی تمثال غریب ہوں جبکہ وہ اک گزارش حزیں اور ایک التماس درد کے لیے مضطرب اور بے چین ہوں تو ہائے وہ کس طرح اجنبی اور انجان بن جاتے ہیں۔'' (۷)

اس کے علاوہ سجاد انصاری کی تصانیف خاص طور پر ان کی کتاب محشر خیال ٹیگور کے تتبع میں لکھی جانے والی ادبِ لطیف کی ایک اور مثال ہے۔ بقول آل احمد سرور:

''سجاد انصاری کے خیالات کو صحت یا غلطی کے معیار سے نہیں جانچا جا سکتا------- وہ صرف دلچسپی کے قائل ہیں۔''(۸)

اس کتاب کا عنوان ہی اس کے نفسِ مضمون کا اشارہ فراہم کر دیتا ہے۔ یہاں محض چند سطریں بطور مثال

دیکھی جا سکتی ہیں:

''صرف شانِ بے نیازی انسان کے لیے حقیقی مسرت کا باعث ہوسکتی ہے۔ امید محض فریب یاس ہے۔ مایوسی محض ابتذال امید لیکن بے نیازی خیالات کا دلآویز ترین انداز ہے۔ اس سے جب رنگینیاں مل جاتی ہیں۔ انسان میں صحیح حسن پرستی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔'' (۹)

جوش کی کتاب روحِ ادب پر تبصرہ کرتے ہوئے سجاد انصاری نے جو رائے پیش کی ہے وہ نہ صرف جوش کی رومانوی نثر بلکہ خود سجاد انصاری کی تحریروں پر ٹیگور کے اثرات کی نوعیت کا اندازہ کرنے کے لیے بہت موزوں ہے:

''جوش کی نثر کے متعلق اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ٹیگور کی تصانیف کو سامنے رکھ کر اس قسم کے ہزاروں مضامین لکھے جا سکتے ہیں۔'' (۱۰)

احتشام حسین نے اپنے مضمون ''ٹیگور کا اثر اُردو ادب پر'' میں ادبِ لطیف کے ضمن میں مذکورہ بالا مصنفین کے علاوہ ساغر نظامی کی تحریروں اور میاں بشیر احمد کی کتاب طلسم حیات کو بھی ٹیگور کے اثرات میں شمار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ان ادیبوں نے بہت واضح طور پر ٹیگور کے اثر کا اعتراف نہیں کیا ہے لیکن ان میں ایسی اندرونی شہادتیں موجود ہیں کہ ان پر یقین کرنا ناگزیر ہے۔'' (۱۱)

افسانوی ادب پر ٹیگور کے اثرات کے ضمن میں شانتی رنجن بھٹا چاریہ نے بنگال کی ایک اُردو افسانہ نگار خاتون راحت آراء بیگم کا ذکر کیا ہے۔ ان کا عہد حیات ۱۹۱۰ء سے ۱۹۴۹ء ہے اور انھوں نے نہ صرف ''ڈاک گھر'' کا اُردو ترجمہ کیا بلکہ ٹیگور سے ایک مفصل گفتگو بھی کی۔ (۱۲)

اپنے اسی مضمون میں شانتی رنجن بھٹا چاریہ نے لطیف الدین احمد اکبر آبادی کے علاوہ عباس علی خان لمعہ حیدر آبادی کے نثری اسلوب کو ٹیگور کی واضح چھاپ قرار دیتے ہوئے مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی مندرجہ ذیل رائے درج کی ہے:

''پریم رس، ان کے چھوٹے بڑے تیرہ مضامین کا مجموعہ ہے۔ مضامین عموماً ٹھاکر کے رنگ کے ہیں -------- اگر لمعہ کی بعض عبارتوں کے نیچے سے ان کا نام نکال دیا جائے تو خود ٹھاکر کی تحریر کا شبہ ہونے لگے۔'' (۱۳)

عباس علی خان لمعہ سے ٹیگور کی خط کتابت بھی ملتی ہے۔ خاص طور پر ۱۹۳۳ء کا وہ خط اہم ہے جس میں علامہ اقبال کے حوالے سے ٹیگور نے پرخلوص جذبات کا اظہار کیا ہے۔ (۱۴)

شعوری طور پر ٹیگور کا طرز اختیار کرنے والوں میں آصف علی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ان کی

تصنیف پرچھائیاں اور اس کا دوسرا رُخ کے بارے میں ڈاکٹر عبدالودود خان لکھتے ہیں:

''اس تصنیف کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ اُردو نثر میں کوئی ایسی تصنیف اس کے علاوہ نظر نہیں آتی جس میں شروع سے آخر تک ٹھاکر کا رنگ اختیار کیا گیا ہو۔'' (۱۵)

مثال کے طور پر یہ حصہ دیکھا جا سکتا ہے:

''میری خوشی کیا؟ تمھاری خوشی میں میری خوشی
اور میری خوشی تو تمہاری ناراضی میں بھی نہیں جاتی
کوئی کہتا ہے تیرتھوں میں ہوں گے
کوئی کہتا ہے مندروں میں
میں تو تمہیں ڈھونڈتی ہوں
تم کسے ڈھونڈتے پھرتے ہو
جو مجھے منہ نہیں دکھاتے
میرا دل تمہارا مندر ہے۔'' (۱۶)

اسی طرح رومانوی رجحان کے لکھنے والے بیشتر مصنفین مثلاً مجنوں گورکھپوری قاضی عبدالغفار اور مرزا ادیب کے فکروفن میں بھی ٹیگور سے اثر پذیری کے عناصر تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر ان اثرات کی حقیقت کو سمجھنے کیلئے ڈاکٹر سلیم اختر کی رائے خاصی موزوں ہے:

''ایک زمانہ میں رابندرناتھ ٹیگور کی گیتا نجلی کا بہت چرچا تھا۔ چنانچہ بعض اوقات جلیبی کے شیرے جیسی گاڑھی رومانیت کے لیے ٹیگوریت کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی۔ مہدی افادی، سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری، سجاد انصاری، ل احمد اکبر آبادی اور م حسن لطیفی کا اس ضمن میں نام لیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان سب کا رومانیت کے سلسلہ میں بھی نام لیا جاتا ہے۔'' (۱۷)

ترقی پسند تحریک اور حقیقت نگاری کا رجحان رکھنے والے اُردو ادیبوں نے بھی رابندرناتھ ٹیگور کے فکروفن سے مختلف سطحوں پر اثرات قبول کیے۔ ترقی پسند تحریک کی دوسری کانفرنس کلکتہ میں ہوئی تھی جس کا افتتاحی خطبہ ٹیگور نے پیش کیا تھا۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۳۸ء کو ہونے والی ترقی پسند مصنفین کی کل ہند کانفرنس کلکتہ میں ہونا تھی جس کی صدارت ٹیگور نے قبول کر لی تھی۔ لیکن عین وقت پر ناسازی طبع کے سبب وہ شریک نہ ہو سکے لہٰذا ان کا خطبہ پڑھ کر سنایا گیا۔ (۱۸)

اُردو ناول اور خاص طور پر افسانے کی روایت میں پریم چند کو حقیقت نگاری کے نمائندہ ادیب کی حیثیت حاصل ہے۔ اپنے ایک سوانحی مضمون میں پریم چند بتاتے ہیں۔

''پہلے پہل ۱۹۰۷ء میں میں نے کہانیاں لکھنی شروع کیں۔ ڈاکٹر رینبدر ناتھ کی کئی کہانیاں میں نے انگریزی میں پڑھی تھیں۔ان میں سے بعض کا ترجمہ کیا۔'' ۱۹

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''بنگلہ ادب کے موجودہ صدر نشین بابو روبندر ناتھ ٹھاکر ہیں اور وہ اعلیٰ پایہ کے ناولسٹ ہیں۔''(۲۰)

پریم چند کے فن میں ٹیگور سے اثر پذیری کے عناصر کس طرح گھل مل گئے ہیں اس حوالے سے احتشام حسین کی رائے سب سے مناسب معلوم ہوتی ہے:

''یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ یہ اثر پذیری کس نوعیت کی تھی تاہم پریم چند کے دیہات، ان دیہاتوں کے سیدھے سادے باسی، ان کے مزاجوں کی انوکھی خصوصیات اور افسانے کے مختصر ڈھانچے میں وحدت تاثیر پیدا کرنے کا فن سب ٹیگور سے مماثلت رکھتے ہیں۔ پریم چند سے پہلے اُردو میں افسانہ نگاری کی کوئی قابل ذکر روایت نہیں تھی اور بہت ممکن تھا کہ اگر ان کے سامنے ٹیگور کی کہانیوں کے زندہ انسان نہ ہوتے تو وہ بے مقصد رومانی قصہ گوئی کی طرف بہک جاتے۔'' (۲۱)

سماج کے تلخ حقائق، ظلم و ناانصافی اور استحصالی رویوں کے خلاف آواز اٹھانے کے علاوہ تکنیک کی سطح پر بھی پریم چند کا فن ٹیگور سے متاثر ہوا ہے۔مثلاً ایک ہی واقعے کو مختلف سیاق وسباق مختلف جزئیات اور مختلف طرز پر دہرانا ٹیگور کی خاص تکنیک ہے پریم چند کے ہاں بھی واقعاتی تکرار ملتی ہے۔ مثال کے طور پر چوگانِ ہستی، میدانِ عمل اور گوشہ عافیت میں عدالتوں کا حال یکساں طور پر پیش کیا گیا ہے۔محض واقعات کا تانا بانا مختلف ہے۔

نیز بعض واقعات اپنی تفصیلات میں ٹیگور کے ناولوں سے بہت حد تک مماثل ہیں۔ مثلاً بازارِ حسن اور گوشہ عافیت میں ہیروئین کے ڈوبنے کا واقعہ ناؤ کا ڈوبی (۲۲) میں کملا کے ڈوبنے سے حد درجہ مطابقت رکھتا ہے۔ مختصر یہ کہ پریم چند کا فن مشاہدے اور تجربے کے علاوہ وسعتِ مطالعہ سے مل کر تشکیل پاتا ہے جس کے بارے میں ڈاکٹر انوار احمد کہتے ہیں:

''ماجرا یہ ہے کہ پہلے مدرس، پھر صحافی اور سیاسی ورکر کے طور پر پریم چند اجتماعی زندگی کے محض ناظر بن کر نہیں جیئے۔ بلکہ انھوں نے اپنے آئیڈیلز کے حصول کے لیے بھرپور جدوجہد بھی کی۔ ساتھ ہی ساتھ عالمی ادب کا مطالعہ بھی جاری رکھا۔ وہ موپساں اور ترگنیف کے مقابلے میں چیخوف،ٹالسٹائی اور ٹیگور کے فن کے مداح رہے۔''(۲۳)

ترقی پسند تحریک کے منشور اور لائحہ عمل کو ٹیگور نے ہمیشہ سراہا۔ اور سماجی، سیاسی اور معاشی مسائل کو اُجاگر

کرنا ادیب کی ذمہ داری قرار دیا۔

مارچ ۱۹۳۸ء الہٰ آباد میں ترقی پسند تحریک کی ایک کانفرنس ہوئی اس میں جوش ملیح آبادی، آنند نرائن ملا، سمترا نندن پنت، فیض، مجاز، علی سردار جعفری، حیات اللہ انصاری، ڈاکٹر عبدالعلیم، فراق گورکھپوری اور امرت رائے کے علاوہ جواہر لال نہرو نے بھی شرکت کی۔ اس کانفرنس میں ٹیگور کا پیغام بھی پڑھ کر سنایا گیا جس میں انھوں نے کہا:

> ''ادیبوں کو انسانوں سے مل جل کر انہیں پہچانا ہے۔ میری طرح گوشہ نشین رہ کر ان کا کام نہیں چل سکتا۔ زمانہ دراز تک سماج سے الگ رہ کر میں نے جو بہت بڑی غلطی کی ہے اب اسے سمجھ گیا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ یہ نصیحت کر رہا ہوں ---------- اگر ادب انسانیت سے ہم آہنگ نہ ہوتو وہ ناکام اور نامراد رہے گا۔'' (۲۴)

تحریک کے نمائندہ مصنفین ٹیگور کی عظمت کے معترف ہیں۔ مثال کے طور پر سجاد ظہیر نے **روشنائی** میں اس عظیم فن کار کے حوالے سے اپنے تدریجی تاثرات کو قلم بند کیا ہے کہ وہ زمانہ طالب علمی میں انگریزی تراجم کے ذریعے ٹیگور کے سنہری تخیل خواب آور سروں اور لطیف درد انگریزی سے بہت متاثر ہوئے۔۲۵ لیکن جب ۱۹۳۰ء میں ٹیگور آکسفورڈ میں لیکچر دینے کے لیے آئے تو سجاد ظہیر کے تاثرات ایک ناپختہ ذہن کی سطحی سوچ کے عکاس ہیں۔ لیکن اتنے کھلے لفظوں میں سچ تحریر کرنا بھی ان کی حقیقت نگاری کا ایک انداز ہے:

> ''---------- لیکن اب میں ان کی عظمت کا منکر تھا ---------- وہ جو کبھی کبھی گاڑھے شہد کی سی جذباتیت ان کے کلام سے ٹپکتی تھی۔ ان کی مخصوص امیرانہ شان اور عجیب سی پُل پُلی بین الاقوامیت اور ان کا وہ پہلو جس کے سبب سے وہ ہمارے وطن کی عوامی انقلابی تحریک کے کھلے لفظوں میں حمایت کرنے سے ہمیشہ گریز کرتے تھے---------- جب مجلس میں وہ تقریر کر چکے تو میں نے کس قدر بدتمیزی کے ساتھ ان سے ایسے سوالات بھی کیے جن میں میری ذہنی کیفیت کا اظہار تھا۔'' (۲۶)

لیکن کچھ عرصہ بعد سجاد ظہیر اپنی حتمی رائے قائم کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس دور کے ہر بڑے مفکر اور مصلح کی طرح ٹیگور کے فن میں بھی متضاد کیفیات تھیں۔ اس کے باوجود اپنی قوم کے اس عہد کے بلند ترین، شریف ترین اور حسین ترین جذبات کو اتنے موثر طریقے سے پیش کیا کہ ساری قوم کے مغنی اور مصور بن گئے۔ (۲۷)

سجاد ظہیر کی مختصر کہانیوں میں تلخ حقیقت نگاری کے علاوہ ان کے مشہور ناولٹ لندن کی ایک رات (۲۸) کے سماجی شعور اور پیش کش کے انداز میں بھی ٹیگور کا شعوری یا غیر شعوری تتبع ملتا ہے۔ خاص طور پر اس کے پہلے حصے میں ایک ہندوستانی نوجوان کے گھر پر ہندوستانی دوستوں اور انگریز لڑکیوں میں ہندی اور انگریزی تہذیب، تمدن، سیاست، معاشرت، تعلیم اور اخلاق کے موضوع پر ہونے والے طویل بحث و مباحثے بہت حد تک ٹیگور کے ناول ''گورا'' (۲۹) سے مماثل ہیں۔

اسی طرح مزدور اور کسان کا استحصال ہو یا بے باک حقیقت نگاری یا پھر ناول کی تکنیک اور واقعات کی پیش کش کا انداز تو کرشن چندر کے فن میں ٹیگور کے انداز کی واضح جھلک ملتی ہے۔ لیکن بعض افسانوں میں لہجہ سخت اور اونچا ہو جاتا ہے جو ٹیگور کے ہاں نہیں ہے۔

اوپندر ناتھ اشک کے ناولوں اور افسانوں میں اصلاح پسندی کا پہلو، ذات پات کی چپقلش اور تقسیم سے پہلے کے شہروں اور گلی محلوں کی زندگی کا پس منظر...... سب میں ٹیگور کی فکر کے عناصر تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ ان کے مشہور ناولوں آئینہ اور گرتی دیواریں کے علاوہ مختصر افسانوں میں محض ایک مثال پیش کی جا سکتی ہے۔

''شرما جی'' (۳۰) افسانے میں تحریک آزادی میں حصہ لینے والے ایک امیر شخص کی غیر مستقل مزاجی کا خاکہ اُڑایا ہے۔ جب کھدر کا مسئلہ حل نہ ہوا تو وہ عورت کی نفسیات پر کتاب لکھنے لگا۔

اس افسانے کا خام مواد ٹیگور کے ناول ''گھرے بائرے'' (۳۱) سے مماثل ہے۔

مہاشہ سدرشن کے افسانوں کے موضوعات میں بھی ٹیگور کا اثر تلاش کیا جا سکتا ہے۔ قدیم عہد تاریخ کی تخیلی پیش کش، سبق آموزی کا عنصر اور خاص طور پر انسانیت پر اعتماد کا اظہار ٹیگور کی کہانیوں کی یاد دلاتا ہے۔ مثال کے طور پر ''جانثار'' (۳۲) افسانے میں رونقی جب چوری کا الزام اپنے سر لے لیتا ہے تو دوسروں کے لیے بے لوث جذبہ دیکھ کر پڑھنے والے کے ذہن میں بیرسٹر (۳۳) کے رائے چرن کا خیال آتا ہے۔

اسی طرح ''وزیرِ عدالت'' (۳۴) افسانے میں عہد قدیم کی پیش کش کا انداز ٹیگور سے بہت مماثل ہے۔ سدرشن نے اپنی تحریروں میں کئی جگہ ٹیگور کو ایک عظیم فنکار کی حیثیت سے خوب سراہا ہے:

> ''دورِ حاضرہ کی ہندوستانی قصہ نویسی کے نئے سکول کے ماسٹر آپ ہی ہیں۔'' (۳۵)

اس عہد کے افسانہ نگاروں نے ٹیگور کے اثرات کو جس طرح جذب کیا اس حوالے سے ڈاکٹر قمر رئیس لکھتے ہیں:

> ''ان کی کہانیوں میں بہ لحاظ تکنیک، مواد اور موضوع ایسا تنوع ہے جس کی وجہ سے ہر ادیب نے اپنے مزاج کی مخصوص افتاد کے مطابق ان کے اثرات قبول کیے۔ کسی نے صرف ان کے حسنِ بیان اور لطیف شاعرانہ اسلوب کو اپنایا۔ کسی نے زندگی کے بارے میں ان کے آدرشوں سے اپنے ذہن کو ہم آہنگ پایا اور کسی کو ان کے افسانوں کی تکنیک کی سادگی پرکاری اور لطافت نے مسحور کیا۔ اس کی بہترین مثال خود اُردو افسانہ کے پہلے دور کے فنکاروں مثلاً پریم چند، سدرشن، نیاز فتح پوری اور سجاد حیدر یلدرم کی نگارشات میں دیکھی جا سکتی ہیں۔'' (۳۶)

زندگی کے تلخ پہلوؤں پر لکھتے ہوئے ٹیگور نے کبھی فن کو مجروح نہیں ہونے دیا اور ادب میں پروپیگنڈہ کا انداز نہیں آنے دیا۔ غریب کے استحصال، حکمرانوں کی ناانصافی اور معاشرتی تضادات کو موضوع بنانے والے بہت

سے ترقی پسند مصنفین میں ٹیگور کے اثرات تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً خواجہ احمد عباس، حیات اللہ انصاری، راجندر سنگھ بیدی کے علاوہ عصمت چغتائی اور سعادت حسن منٹو کی بے باک حقیقت نگاری میں بھی اس شعور کی تلاش کی جا سکتی ہے جو برصغیر کے لکھنے والوں کو ٹیگور کی تحریروں نے عطا کیا۔

عزیز احمد اور قراۃ العین حیدر کے ہاں تاریخ کے تصور کو بھی ٹیگور کے اثرات میں گردانا جا سکتا ہے۔ ٹھوس تاریخی حقائق کے پس منظر میں جذبات و احساسات اور اقدار و روایات کے بننے بگڑنے کے عمل کو بھی پیش کیا ہے۔

> ''مصنفہ نے ایک عہد کی تاریخ کے بجائے اس کے تناظر کو پیشِ نظر رکھا ہے اور تناظر صرف واقعات کے عمل سے علاقہ نہیں رکھتا جب تک کہ اس عہد کے افسانوں یا اس کی فضا میں سانس لینے والے کرداروں کے ردعمل کو بھی ذہن میں نہ رکھا جائے۔''(۳۷)

تناظر کی اصطلاح کا یہی مفہوم ٹیگور کے ''گورا'' میں بھی موجود ہے۔ ٹیگور کی زیادہ تر مختصر کہانیوں میں روزمرہ کی معمولی زندگی اور معمولی باتوں سے غیر معمولی معنویت تلاش کرنے کا ہنر ملتا ہے۔ اس حوالے سے اُردو افسانے پر ٹیگور کے اثرات کے ضمن میں خاص طور پر اشفاق احمد کا نام لیا جا سکتا ہے۔

الغرض مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ٹیگور کے زیر اثر ہی اُردو افسانے کو ایسا پلیٹ فارم ملا جس میں قاسمی صاحب کی ترقی پسندی سے لے کر انتظار حسین کی ماضی پرستی اور علامت نگاری تک متنوع جہات مجتمع ہیں۔

اُردو زبان و ادب میں اگرچہ مترجمین اور ناقدین نے ہر دور میں ٹیگور شناسی کے لیے اپنے اپنے انداز میں کوشش کی ہے لیکن موجودہ عالمی تناظر میں دیکھا جائے تو دیگر ممالک اس ضمن میں بہت آگے دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً برطانیہ نے باقاعدہ طور پر ٹیگور ریسرچ سنٹر قائم کر رکھا ہے۔ اسی طرح شہزاد انجم اپنے ایک مضمون میں بتاتے ہیں کہ عربی زبان میں ٹیگور پر ہونے والا علمی و ادبی کام اُردو سے کہیں زیادہ ہے۔ (۳۸)

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ دور کے تناظر میں ٹیگور کی شاعری اور تصانیف کو نئے سرے سے بازیافت کیا جائے۔

حوالہ جات:

(۱) ابو الکلام آزاد، ''ٹیگور کی شخصیت''، مشمولہ گیتا نجلی از ٹیگور، مترجم: عبد العزیز خالد، کراچی: مطبوعات مشرق، ۱۹۶۲ء، ص ۵۰۔۵۱

(۲) وقار عظیم، سید، فن اور فنکار، لاہور: اُردو مرکز، سن ندارد، ص ۱۴۸

(۳) محمد خان اشرف، ڈاکٹر، اُردو تنقید کا رومانوی دبستان، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۶ء، ص ۳۲۳

(۴) عبد الرحمٰن بجنوری، ''گیتا نجلی (تعارفی مضمون)''، مشمولہ: گیتا نجلی از ٹیگور، مترجم: عبد العزیز خالد، کراچی: مطبوعات مشرق، ۱۹۶۲ء، ص ۱۵

(۵) ایضاً ، ص ۱۲

(۶) خلیقی دہلوی، ادبستان، لاہور: کتب خانہ ناشر العلوم، ۱۹۳۰ء

(۷) ایضاً ، ص ۱۳۲

(۸) آل احمد سرور، شعلہ مستعجل (پیش لفظ)، مشمولہ: محشرِ خیال از سجاد انصاری، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۷۱ء، ص ۱۸

(۹) سجاد انصاری، محشرِ خیال، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۷۱ء، ص ۱۲۶

(۱۰) ایضاً ، ص ۸۶

(۱۱) احتشام حسین، افکار و مسائل، لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، ۱۹۶۳ء، ص ۲۲۴

(۱۲) شانتی رنجن بھٹا چاریہ، ربندر ناتھ ٹھاکر ...... حیات و خدمات، کلکتہ: مغربی بنگال اُردو اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص ۲۲۸

(۱۳) ایضاً، ص ۲۳۱

(۱۴) رابندر ناتھ ٹیگور، مکتوب بنام ڈاکٹر محمد عباس خان لمعہ، مورخہ ۷ فروری ۱۹۳۳ء، مشمولہ: رسالہ اضطراب، بنارس: ٹیگور نمبر ...... ماہ اکتوبر و نومبر ۱۹۴۱ء، ص ۲۸

(۱۵) عبد الودود، ڈاکٹر، اُردو نثر میں ادب لطیف، لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، ۱۹۸۰ء، ص ۴۰۱

(۱۶) آصف علی، پرچھائیاں اور اس کا دوسرا رُخ، علی گڑھ: انجمن ترقی اُردو ہند، ۱۹۵۰ء، ص ۲۴

(۱۷) سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۴۱۸۔۴۱۹

(۱۸) شانتی رنجن بھٹاچاریہ، ربندر ناتھ ٹھاکر ...... حیات و خدمات، کلکتہ: مغربی بنگال اُردو اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص ۴۷-۴۸

(۱۹) پریم چند، مضامین پریم چند، مرتبہ: عتیق احمد، کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۸۱ء، ص ۴۲

(۲۰) ایضاً ، ص ۲۳۲

(۲۱) احتشام حسین، افکار و مسائل، لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، ۱۹۶۳ء، ص ۲۲۴

(۲۲) رابندر ناتھ ٹیگور، طوفان، مترجم: ندارد، لاہور: روہتاس بکس، ۱۹۹۲ء، ص ۱۳۸

(۲۳) انوار احمد، ڈاکٹر، اُردو افسانہ ...... ایک صدی کا قصہ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۷ء، ص ۳۶۱

(۲۴) رابندر ناتھ ٹیگور، بحوالہ مضمون ''رابندر ناتھ ٹیگور اور ترقی پسندی''، از ڈاکٹر ارجمند بانو، مشمولہ: رابندر ناتھ ٹیگور: فکر و فن، مرتبین: خالد محمود و شہزاد انجم، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، ۲۰۱۲ء، ص ۳۰۷

(۲۵) سجاد ظہیر، روشنائی، کراچی: مکتبہ دانیال، ۱۹۸۶ء، ص۱۹۳

(۲۶) ایضاً ، ص۱۹۴

(۲۷) ایضاً

(۲۸) سجاد ظہیر، لندن کی ایک رات، کراچی: مکتبہ دانیال، ۲۰۰۵ء

(۲۹) سجاد ظہیر، مترجم، گورا، از ٹیگور، لاہور: تخلیقات، ۱۹۹۷ء

(۳۰) اوپندر ناتھ اشک، شرماجی، مشمولہ، رسالہ ادب لطیف، افسانہ نمبر، ۱۹۳۹ء، ص ۴۷

(۳۱) رابندر ناتھ ٹیگور، دہلیز، نام مترجم ندارد، لاہور: تخلیقات، ۱۹۹۳ء

(۳۲) سدرشن، جانثار، مشمولہ، نقوش افسانہ نمبر (۱۸۰۱ء سے ۱۹۵۵ء تک)، لاہور: ادارہ فروغِ اُردو، ۱۹۸۲ء، ص۳۰۲

(۳۳) رابندر ناتھ ٹیگور، بیرسٹر مشمولہ: نجات، نام مترجم ندارد، امرتسر: بھارت پستک بھنڈار کٹڑہ، ۱۹۴۴ء، ص۳۰

(۳۴) سدرشن، وزیر عدالت، مشمولہ: اُردو افسانے کی روایت ...... (۱۹۰۳ء سے ۱۹۹۰ء)، از ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۱۹۹۱ء، ص۲۷۴

(۳۵) سدرشن، دیباچہ، مشمولہ: بنگال بتیسی (حصہ اوّل)، مترجمہ: سدرشن، لاہور: گیلانی بک ڈپو، سن ندارد، ص ۶

(۳۶) قمر رئیس، ڈاکٹر، تلاش و توازن، دہلی: ادارہ خرام پبلی کیشنز، ۱۹۶۸ء، ص ۱۳۵

(۳۷) شمیم حنفی/ انیس الرحمان، ''آخر شب کے ہم سفر'' (مضمون)، مشمولہ: قراۃ العین حیدر ...... خصوصی مطالعہ، عامر سہیل و دیگر مرتبین، لاہور: بیکن بکس، ۲۰۰۳ء، ص ۳۳۷

(۳۸) شہزاد انجم، ''ٹیگور کی یاد میں''، مضمون، مشمولہ، رابندر ناتھ ٹیگور: فکر و فن، مرتبین: خالد محمود و شہزاد انجم، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، ۲۰۱۲ء، ص۲۴